قرآن مجید اور وحی،

عقلیت اور استدلال

پروفیسر سید حسین نصر

آج اسلامی دنیا کے بعض مخصوص حلقوں میں ایک نہایت افسوس ناک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ کوئی ایسا نظریۂ حیات (آئیڈیالوجی) اپنایا جائے جو مغربی ملکوں میں بطور فیشن کے رائج ہو اور اس کے ساتھ لفظ "اسلامی" لگا دیا جائے۔ چنانچہ اس کی وجہ سے "اسلامی ڈیموکریسی" یا "اسلامی سوشلزم" یا "اسلامی عقلیت" اور اس جیسی دوسری اصطلاحات ہماری نظروں کے سامنے آ رہی ہیں۔ یہ رجحان کہ اسلام کو دیکھنے میں "ماڈرن" اور "اَپ ٹو ڈیٹ" بنا کر اُسے قابلِ قبول بنانے کی کوشش کی جائے، اسلام کو اُصولوں کے ایک کامل مجموعہ اور ایک مکمل عالمی تصور کے اعلیٰ درجے سے گرا کر ایک ایسے وصف سے منسوب کرنا ہے، جس کا مغربی تہذیب کے تانے بانے میں جس نے کہ ان اصطلاحات کو جنم دیا ہے، بالکل دوسرا مفہوم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دانش مند غیر مسلموں اور اسی طرح خود نوجوان مغربی تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اسلام کو صرف اسی صورت میں احترام حاصل ہو سکتا، بلکہ اُس سے وابستگی پیدا ہو سکتی ہے اگر اُسے اس طرح پیش نہ کیا جائے کہ آج مغرب میں فیشن کے طور پر جو نظریہ ہائے حیات رائج ہیں، اُن میں سے ایک اسلام بھی ہے، بلکہ اس طرح کہ اسلام خود زندگی اور اس دنیا میں انسان کی پوری جدوجہد کے بارے میں ان مغربی نظریہ ہائے حیات کے مقابلے میں ایک واضح متبادل نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر اسلام کے دفاع کی بنیاد کمزور مدافعانہ معذرت پر ہو گی، جس کے کہ پیشِ نظر صرف یہ ہو کہ جو چیز بھی آج بطور فیشن رائج ہے، اُسے اسلامی بنا کر دکھایا جائے، تو یہ کسی سمجھ بوجھ والے کو قائل نہیں کر سکے گی اور ایک دانش مند مبصر کو یہ اسلام ایک دوسرے درجے کا مغربی نظریۂ حیات (آئیڈیالوجی) نظر آئے گا۔ اب اگر اسلام کو، فرض کیا بطور سوشلزم یا ایک نظامِ عقلیت کے پیش کیا جاتا ہے، تو ایک سمجھ دار جدید (ماڈرن) آدمی، جو عقیدہ و مذہب کے دائرے سے باہر ہے، قدرتاً سوشلزم اور عقلیت

کی زیادہ واضح صورتوں کو مغربی فلسفوں اور نظریہ ہائے حیات میں تلاش کرے گا نہ کہ اُن کی اسلامی صورتوں میں۔

بعض ایسے تجدد پسند (ماڈرن) مسلمان ہیں جو ایک سیدھے سادے عقلیت پسند اسلام کے نام پر، جسے وہ سمجھتے ہیں کہ آج کی دنیا کا ساتھ دے سکے گا، چودہ سو سال کی اسلامی تہذیب وثقافت اور دانش وحکمت کے مکاتب کو جو اس طویل مدت میں بارآور ہوئے، گلدستۂ طاقِ نسیاں بنانے کو تیار ہیں۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ مذہب کے ضمن میں جدید دنیا کو جو بڑے اہم مسائل درپیش ہیں، وہ چیلنج خواہ مارکسزم ہو۔ یا ڈاروینیزم یا غیر مذہبی (سیکولر) وجودیت۔ اُن کا حل اسلام کی سیدھی سادی عقلی تعبیر نہیں، جیساکہ سلفیہ مدرسۂ فکر وغیرہ کا مسلک تھا، بلکہ اِس کے لئے اُس حکمت ودانش کے عمیق مابعد الطبیعیاتی اور فلسفیانہ خزانے کی طرف رجوع کرنا ہوگا، جسے اسلام نے وجود بخشا۔ یہ حکمت ودانش جہاں ایک طرف منطقی اور عقلی ہے، وہاں اس کے ساتھ یہ محض استدلالی ہوکر نہیں رہ گئی۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مغربی زبانوں میں عقلیت کا معین طور پر کیا مفہوم ہے؟۔ ایک آدمی کو عقلی دلیل آرائی ومنطق اور عقلیت میں جو علم صحیح کی بنا صرف عقل پر رکھتی ہے، اور اُسے حقیقت کو جاننے کا واحد معیار مانتی ہے، فرق کرنا چاہیئے۔ بعض دفعہ ارسطا طالیسی عقلیت کا نام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ارسطو کے فلسفہ میں مابعد الطبیعیاتی وجدانیات بھی ہیں، جنہیں محض انسانی استدلال کا حاصل نہیں کہا جاسکتا۔ یہ نظریہ کہ علم صحیح کی بنا عقل پر ہے، اِس حقیقی عقلیت کی ابتدا، جدید مغربی فلسفہ سے ہوتی ہے۔ بے شک اس کے کچھ آثار عہدِ قدیم میں بھی ملتے ہیں۔ عقلیت بحیثیت اس کوشش کے کہ ایک ایسا تنگ اور محدود نظام وجود میں لایا جائے جو تمام حقیقت کا احاطہ کرے اور یہ صرف انسانی عقلی استدلال پر مبنی ہو، اس عقلیت کی ابتدا، دیکارت سے ہوتی ہے، جس کے ہاں خود حقیقت کا آخری وقطعی معیار صرف انسانی انا ہے نہ کہ الہیاتی عقل یا خالص وجود — "میں سوچتا ہوں۔ اس لئے میں ہوں"۔ انسانی علم کو انفرادی عقلی استدلال اور انفرادی اُنا کے شعور کا پابند بناکر اس کی حد بندی کر دیتا ہے اور یہی وہ رجحان ہے جو اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی کی تحریک عقلیت میں اپنے عروج کو پہنچا اور پھر اس نظام عقلیت کے خود اپنے بوجھ نے اس کی دیواروں میں دراڑیں پیدا کر دیں اور نیچے سے غیر عقلی عناصر پھوٹ پڑے اور اس میں آکر مل گئے۔

اسلام میں عقل واستدلال کا جو کردار ہے، اُسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس نظام عقلیت

میں جو یورپ کی اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی میں اپنے عروج کو پہنچا اور اس منطق اور عقل وفہم میں جس کا احترام اسلام کی خصوصیت ہے، فرق کیا جائے۔ اسلام منطق کا احترام کرتا ہے کیونکہ یہ منطق بحیثیت خود حقیقت کا ایک پہلو ہے اور حقیقت یعنی "الحق" اللہ کا ایک نام ہے۔ اسی طرح عقل اور فہم ایک خدائی عطیہ ہے، جو انسان کی عقیدۂ توحید اور وحی کا جو اسلامی تصوّر ہے، اُس کی اہم خصوصیات کے اثبات کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام کے عالمی تصوّر میں منطق کا کردار ایک زینہ کا ہے، جو انسان کو خدا کی طرف لے جاتا ہے۔ نظامِ عقلیت کا مغرب میں۔ مغرب جس میں روایتی مسیحی شخص کا خدا سے تعلق اسلام کی طرح عقل وفہم کے ذریعہ نہیں، بلکہ زیادہ تر اپنے ارادے سے تھا۔ جس طرح ارتقا ہوا، وہ ایک حجاب بن گیا جس نے بندے کو خدا سے جدا کر دیا اور اس کا نتیجہ بندے کی آسمانوں کے خلاف بغاوت کی شکل میں نکلا۔ اسلام میں منطق اور عقل وفہم کو جس طرح منطبق کیا گیا، اُس کا حاصل ونتیجہ مسجد ہے، جس کا حُسن تناسب اور باقاعدگی اللہ تعالیٰ کی حضوری کا دھیان دلاتی ہے۔ اور جدید مغربی سائنس کو، جو سترہویں صدی کی عقلیت میں راسخ ہوئی، جس طرح منطبق کیا گیا۔ اُس کا حاصل ونتیجہ آج کا کارخانہ اور کئی کئی منزلوں کی فلک شگاف عمارتیں ہیں، جو گو ہندسی قاعدوں کے مطابق اور بعض دفعہ موزوں ومتناسب بھی ہوتی ہیں، لیکن ان میں ماورائیت کے مفہوم ومعنی کی کمی نمایاں نظر آتی ہے اور فی الحقیقت یہ اُس قبیل کے آدمی کی جدوجہد کی نمائندگی کرتی ہیں، جس نے کہ خدا سے بغاوت کی ہو۔ عقل ومنطق کو دونوں جگہوں میں جس طرح منطبق کیا گیا، ان دونوں کے اختلاف سے ایک آدمی اُس عمیق فرق کو دیکھ سکتا ہے، جو مغرب کے نظامِ عقلیت اور اسلام میں عقل وفہم اور منطق سے جس طرح کام لیا گیا، اُس میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام جدید دنیا کی جس میں عقل اور وحی یا سائنس اور مذہب کا تضاد نہایت خطرناک حدود تک پہنچ چکا ہے، سب سے بڑی خدمت یہ انجام دے سکتا ہے کہ وہ دنیا کو بتائے کہ وحی اور عقل میں ہم آہنگی اور اتحاد ممکن ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اسلام میں وحی کا مصدر ومنبع جبریل ہے یا آپ اُسے حدیث نبویؐ کی زبان میں "عقل کُل" کہہ لیجیے۔ اور لفظ "عقل" سے مُراد لغوی اشتقاق کے لحاظ سے دو چیزیں ہیں۔ ایک جو وجودِ مطلق کو خلق وتخلیق کی جہت میں پابند یا محدود کرتی ہے، اور دوسری جو انسان کو حقیقت اور خود اللہ سے وابستہ کرتی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، یہ عقل ہی ہے جو انسان

کو سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر رکھتی ہے اور اُسے اِدھر اُدھر بھٹکنے سے روکتی ہے، اسی بنا پر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اُن لوگوں کو جو گمراہ ہو گئے، بغیر عقل اور سمجھ کے بتایا گیا ہے (وھم لا یعقلون وھم لا یفقھون)۔ اسی طرح "علم"، جسے اسلام کے بہت سے جدید معذرت خواہ بغیر کسی قید اور ترمیم کے موجودہ سائنس کے مرادف قرار دیتے ہیں، قرآن و حدیث کی زبان میں وہ ہے جو انسان کو ذاتِ خداوندی، ابدی حقیقتوں، دوسری دنیا جو اس زندگی کے بعد ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کی آگاہی بخشتا ہے۔ بعض احادیث میں تو "علم" سے مراد صرف آخرت کا علم بتایا گیا ہے۔

یہ ذہن (INTELLECT) جو ایک ہی وقت میں وحی کا مصدر و منبع بھی ہے اور خود انسان کے اندر بھی چھوٹے پیمانے پر موجود ہے، اُسے صرف عقل و استدلال تک ہی محدود نہیں کر لینا چاہیئے۔ یہ غلطی ہو گی۔ لفظ عقل کے کئی مفہوم ہیں۔ یہ علوی و الٰہی سورج بھی ہے جو انسان کے اندر ضو افگن ہے اور اس کا عکس جب دماغ کی سطح پر پڑتا ہے، تو اُسے ہم تعقل و استدلال کہتے ہیں۔ اس عکس سے ہم اُس کے اصل مصدر و منبع تک جا سکتے ہیں بشرطیکہ اس عقل کو خواہشات نے دھندلا نہ دیا ہو، اور بشرطیکہ یہ عقلِ سلیم ہو۔ لیکن اگر اس عقل کو خواہشات اور نفسانیت نے دھندلا دیا ہو تو پھر یہ عقل ایک حجاب بن جاتی ہے جو انسان کو الٰہیت و ملکوتیت سے اوجھل کر دیتی ہے۔ اور وہ راہِ راست سے بہک جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر وحی کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہوتی۔ وحی عالمی ذہن یعنی "کلمۃ اللہ" کا ایک کائناتی مظہر ہے، جو انسان کو چھوٹے پیمانے پر ذہن کا ایک مظہر مہیا کرتا ہے، نیز اُسے الٰہی قانون بخشتا ہے، جو انسان کو خود اُس کی خواہشات سے بچاتا ہے اور عقل کے لئے یہ ممکن بناتا ہے کہ وہ صحیح و سالم یعنی "سلیم" رہ سکے۔

اس صورت میں عقل و استدلال، جو کہ انسانی نفس پر ذہن کا عکس ہے، الٰہی صداقتوں تک، جو وحی میں موجود ہوتی ہیں اور جو کہ مافوق العقل ہیں نہ کہ عقل کے خلاف، پہنچنے کا واسطہ بھی ہو سکتا ہے اور ایک حجاب بھی۔ جو ان الٰہی صداقتوں کو انسان سے اوجھل رکھتا ہے اور اس طرح یہ ذریعہ بنتا ہے اللہ اور اس کے نازل کردہ دین سے بغاوت کا۔ مسلمان عارفوں نے تمام زمانوں میں عقل و استدلال کی تلوار کی اس دودھاری خصوصیت کا ہمیشہ اعتراف کیا ہے۔ بعض جیسے امام غزالی، مولانا جلال الدین رومی اور امام فخر الدین رازی نے خالص انسانی عقل کے منفی پہلو کو ایک حجاب اور روک بتایا ہے

اور اس کا اثبات کیا ہے کہ وہ الٰہی حقیقتوں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا رومی کو عقل کے دو پہلوؤں میں، جن میں سے ایک کو وہ "عقل جزئی" اور دوسرے کو "عقل" کا نام دیتے ہیں، جو فرق و امتیاز پایا جاتا ہے، اُس کا بہت زیادہ احساس تھا، وہ فرماتے ہیں :-

عقل جزئی عقل را بدنام کرد

بعض دوسرے جیسا کہ ابنِ سینا، ابنِ عربی اور صدرالدین شیرازی ہیں، اُنہوں نے استدلال کے ذریعہ "عقل" تک پہنچنے کی کوشش کی اور منطق اور انسان کی عقلی صلاحیتوں کی مدد سے اُسے اُن سطحوں سے بلند تر اور اُن سے ماورا لے جانا چاہا۔ عقل کے ان دو پہلوؤں کے تعین میں غلطی کرنا بہت بڑی حماقت ہوگی اور اسلامی حکمت و دانش کے عظیم خزانے سے فائدہ اُٹھائے بغیر جس میں اس مسئلے کو بڑا واضح کیا گیا ہے، اسلام کو اس اُمید پر عقلیت کا مرادف قرار دینا کہ کسی نہ کسی طرح اسلام میں عقلیت کی تحریک کے نتائج اس ضمن میں مسیحی یورپ میں جو کچھ ہوا، اُس سے مختلف ہوں گے، غلطی ہوگی۔

اگر اسلام کو عقیدہ اور عقل کے تضاد سے بچنا ہے، اور بعض نوجوانوں کے اس رجحان کو جو مغربی سائنس اور فلسفہ سے اُن کے پہلے پہل ارتباط سے اُن کے اندر اسلام سے دُوری کا پیدا ہو گیا ہے، روکنا ہے تو اُسے لازماً اس علم دین کو باقی رکھنا ہوگا، جو اسلام میں بڑا اہم رہا ہے۔ قرآن اور سائنس میں اس طرح ہم آہنگی پیدا نہیں کی جا سکتی کہ قرآن کی ایک آیت سے کسی خاص سائنسی انکشاف کا، جو جلد ہی فرسودہ ہو جائے گا، ثبوت بہم کر دیا جائے۔ قرآن سائنس کے مفصل قواعد پیش نہیں کرتا بلکہ وہ پورے علم کے اصول پیش کرتا ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ مجموعی عالمی تصور اور مابعد الطبیعیاتی فکر کو جس کی جڑیں قرآن میں ہیں اور جو عقل کی روشنی سے ظہور پذیر ہوتا ہے، باقی رکھا جائے اور اُس کا احیا ہو۔ اور یہ عقل کی روشنی قرآن سے پوری طرح مربوط ہے اپنے مواد اور مصدر و منبع ہر دو اعتبار سے۔ پھر اس حکمت و دانش کی روشنی میں فطرت اور انسان دونوں کا فلسفہ وجود میں لایا جا سکتا ہے جو عقلی استدلال کی ضرورتوں کا بغیر لا ادری عقلیت کے جال میں پھنسے، پورا حق ادا کر سکے گا۔

آج پوری دنیا، مسلم اور غیر مسلم دونوں، اس طرح کی حکمت و دانش اور اس پر مبنی فطرت اور انسان کے فلسفہ کی محتاج ہے، اور اس حکمت و دانش کو اظہار کے جدید طریقوں کی اصطلاحات میں صرف اس طرح نئے سرے سے زندہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے نہایت ہی سیر حاصل عقلی ورثے کی

طرف رجوع کیا جائے ۔ نہ کہ اس عقلی ورثے کو تباہ کر کے سپاٹ قسم کی عقلیت کو جو ماورائی وسعتوں سے تہی دامن ہے، اپنایا جائے ۔ ایک ایسا حل جو علم کے تقدس والہیت پر مبنی ہو اور عقیدہ اور استدلال کی ہم آہنگی جس کی اساس عقل ہو جو کہ دونوں کی اصل منبع ہے ، اسلام اس حل کو پیش کر کے دنیا کے لئے ایک نہایت ہی اہم پیغام کا حامل بن سکتا ہے ۔ بجائے اس کے کہ مغربی مفکروں کی میز سے روٹی کے گرے پڑے ٹکڑے چن کر ان کے ساتھ اسلام کا لیبل لگا دیا جائے ، اسلام عقل اور وحی یا سائنس اور مذہب کے باہمی تعلق کے بارے میں اپنا ایک نیا تصور فراہم کر سکتا ہے ، اور یہ تصور اسلام کے مستقبل کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے ، اور یہی وہ تصور ہے جس کے تمام روئے زمین کے بہت سے سمجھدار لوگ بے تابی سے منتظر ہیں ۔

خدا کرے اسلامی دنیا کے حقیقی فکری رہنما اس مقصد کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں ۔ واللہ اعلم ۔ (انگریزی سے ترجمہ) ۔

سید حسین نصر صاحب طہران یونیورسٹی میں آرٹ فیکلٹی کے ڈین اور فلسفہ کے پروفیسر ہیں ۔ آپ نے اسلام پر کافی کتابیں لکھی ہیں ۔ آپ کی انگریزی تصنیفات بین الاقوامی علمی حلقوں میں بڑی مقبول ہیں ۔ موصوف کا اسلامی فلسفہ کا غائر مطالعہ ہے اور عربی زبان میں آپ بڑی دستگاہ رکھتے ہیں ۔ اس کے علاوہ کئی یورپی زبانوں پر بھی آپ کو عبور حاصل ہے ۔ سید حسین نصر صاحب کا شمار ایران کے چند چوٹی کے دانش وروں میں ہوتا ہے ۔ وہ علمی لحاظ سے جدید تر ہونے کے باوجود قدامت سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں ، چنانچہ وہ اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ مسلمان اہلِ فکر تقلیدِ یورپ کے بجائے اپنے علمی و فکری ماضی کا احیا کریں اور اس سے خود بھی رہنمائی حاصل کریں ، اور دنیا کو بھی نئی راہ دکھائیں ۔

سید حسین نصر صاحب بیروت کی جامعہ امریکیہ میں بھی پروفیسر رہے ہیں ، اور آپ نے امریکہ کی بعض یونیورسٹیوں میں بھی پڑھایا ہے ۔

آپ نے یہ مقالہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں جو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے زیرِ اہتمام گزشتہ فروری میں راولپنڈی میں منعقد ہوئی تھی، پڑھا تھا ۔ اپنے مقالہ میں سید حسین نصر صاحب نے ایک حدیث کے حوالے سے جبریل کو عقل کل سے تعبیر کیا ہے ، مصر کے نمائندے نے اجلاس ہی میں اس پر اعتراض کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ حدیث نہیں ۔